

”بھالی کے ساتھ تو اب جنم مرن کا ساتھ ہو گیا، پر ہمارے جیسے جن روز روز ہاتھ نہیں آئیں گے۔ چل نہر پر آخری بار ہمارے نال بھی شغل میلہ ہو جائے۔“

شدین نے گھینٹے کے سر پر دھپا مار کر آکھیا ”آخری بار کیوں اوئے، یاروں نے بیاہ کیا ہے لام کاٹھیکہ تو نہیں لے لیا۔“

ادوبولا ”توبہ توبہ جا گیردار..... شگن لگن کے دن کفر قوتلتے ہو۔ لام کا نام لیتے ہو۔ جیسی بھی گندی ہو تو منہ نہیں کھولنا چاہئے۔ نوہنا ٹھارنا کر کے سواری کو پچکارنا چاہئے ”پھر اس نے گھینٹے سے کہا ”دے یار دہانا جا گیردار کے منہ میں نہیں تو مار کھائے گا میرے تے۔“

چدی نے کہا ”ڈھائی باندھو ڈھائی۔ دہانہ لے کر تو یہ الف ہو جائے گا۔“

شدین ہنس کے آکھیا ”خنزیر و کتنی دیر تک مجھے اپنے ساتھ رکھو گے۔ ادھروہ میرا انتظار کرتی رہے گی، ادھر تم میری جان نہیں چھوڑو گے۔“

گھینٹا ہنس پڑا اور چدی کو آنکھ مار کر بولا ”کل کی بھوتی مسانوں میں ڈیرا۔ حلیہ دیکھا نہیں بھر جائی کا اور عشق بیڑ جٹی والا چالو کر دیا۔ شباش تیرے جا گیردار شباش۔“

ادو نے کہا ”بھوریوں والے تجھے کیا پتا بڑے سرداروں کی باتوں میں نہیں بولتے۔ شدین بادشاہ کا کی بھروسہ، اس نے تھاں تھاں کا پانی پیا ہے۔ کیا پتہ حلنے کے ساتھ سب کچھ دیکھ لیا ہو!“

شدین نے ترکر کہا ”قسم قرآن کی میں نے تو اس کا نام بھی نہیں سناتھا۔ بڑے بزرگوں نے راس رچائی ہے، میں تو بولا بھی نہیں۔ اب میں اس کا اور وہ میری۔ میرا انتظار نہ کرے گی تو اپنے بابل کا کرے گی۔“

چدی نے کہا ”خیر جا گیردار تیری خوشی ہے۔ چاہے جو جی میں آئے سمجھ۔ پر بھالی تیری انتظاری میں نہیں۔ پچی بات تو یہ ہے کہ بھالی سوئے گی اور لو بھی نائین جا گے گی۔“

شدین نے حیران ہو کر پوچھا ”وہ کیوں؟“

ادو نے کہا ”لاچ جو ہوا۔ پانچ دس دینے ہی پڑیں گے تجھے!“

"پانچ دس!" شدین نے حریاگئی سے پوچھا۔

"بائ بائ" گھینہ بولا۔ "سیانوں نے کہا ہے کہ عقل مند و حوصلی بے عقل اکسلائی اور صبر مند کتابے صبرا نئی... الانا نائیوں کو پیسے کا بڑا لائق ہوتا ہے اور بیاہ شادی دن تھوار پر تو کپڑے اتار لیتے ہیں۔"

شدین نے کہا "یار و کھل کر بات کرو۔"

"سن" ... چدی نے آرام سے کہنا شروع کیا "ذوقی میں دیانتی کے نال اس کی نائیں آتی ہے اور....."

شدین نے کہا "یہ کون نہیں جانتا۔"

گھینہ نے کہا "بے صبرا آگے بھی تو سن۔"

"بل جی" چدی پھر کہنے لگا "سماں کی رات کو جہاں اڑکی سوتی ہے، اس کے آس پاس نہیں بھی سوتی ہے اور سروں والے کو ویہی سے بات کرنے نہیں دیتی۔"

"پھر؟" شدین نے پوچھا۔

"پھر کیا" ادونے کہا "دس پانچ اس کے ہاتھ پر رکھو سب صحیک ہو جاتا ہے۔ سردار سونیا پانچ لے کر تو منصف خون معاف کر دیتا ہے۔ یہ تو نہ کوئی جرم ہے نہ انتقام۔"

گھینہ نے کہا "در لعنتِ کس وقت منصف کالے منہ والے کا نام لیا دفع کر سمالے کا اور بوقتی نکال"۔ بوقت نکالی گئی اور چاروں دوست باری باری دیسی کے گھونٹ حلقوں میں اتارتے رہے۔ بوقت ختم ہونے سے تھوڑی درپسلے چدی نے کان پر ہاتھ رکھ کے ذھولا گانا شروع کر دیا۔ شدین نے آسمان کی طرف نگاہیں انداز کر کہا "لو جنو! بہت رات ہو گئی۔ میں تو چلیا۔"

گھینہ بولا "تو چلیا تو ہم یہاں ونسی جواہر بھینے آئے ہیں۔ ہم بھی چلے۔"

اور چاروں یار تمد جھاڑ کاؤں کو چل پرے۔

گھر اپر کر شدین نے دیکھیا کہ بہت سارے مہمان سو گئے ہیں اور جو انہیں تک سوئے

نہیں وہ سونتے کی تیاری کر رہے ہیں۔ ڈنگروں والے احمدی میں خور تھیں گیت گاری تھیں
اور ڈنگر لک نج روہی تھی۔

شدین نے چوتھے کے پاس بیٹھی ہوئی اپنی بسن سے پوچھا..... ”تمہری بھائی کہاں
ہے؟“ تو اس نے چمٹے سے چکلی والی کوٹھڑی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ لڑکھڑا تما ہوا اوہر چلا
گیا۔ برآمدے کے چوتھے حصے میں کامندھ انھا کے بوریاں رکھنے کے لئے ایک کوٹھی بنالی
ہوئی تھی اور اس کے آگے چکلی والی دٹھڑی تھی۔ کوٹھڑی میں ایک چار پائی پر بنی کی نائیں سو
رہی تھی اور اس کے ساتھ اس کا بچہ چھٹا ہوا تھا۔ شدین کا گھٹنا چار پائی سے ٹکرایا تو نائیں اٹھ
کر بیٹھ گئی اور صد قتے جاؤں داری جاؤں کہہ کر اپنی چادر ٹھیک کرنے لگی۔ شدین رکا اور
تحوڑی دری رنگ اس کی چار پائی کے پاس کھڑا رباکہ شاید بنا رشوت کے خلاصی ہو جائے مگر
وہ اسی طرح دعائیں دیتی رہی۔ آہستہ آہستہ اسے نائیں کا حلیہ نظر آنے لگا اور وہ چار پائی
کی پتی پکڑ کر زمین پر بیٹھ گیا۔

نائیں نے کہا..... ”نه نہ موتیوں والے سردار، سروں والے بنے، یہاں بھوئیں
تے نہ بیٹھ۔ بھیں خیرات دے اور اندر جا۔“

شدین نے اپنی ریشمی قمیض کی جیب سے دس کانوٹ نکال کر نائیں کے ہاتھ میں تھما
دیا۔ نوٹ دیکھ کر وہ خوش ہو گئی اور مستکرا کر بولی ”بنی اس کوٹھڑی میں ہے۔“ لیکن
شدین انھانہ اس کی بات کا جواب دیا۔ جب اس نے دوبارہ کہا کہ بنی اس کوٹھڑی میں سو
رتی ہے، تو شدین نے نائیں کے کندھے پر باخھ رکھ کر کہا
”اے سونے دو۔ دفع کرو۔“



تائی کس دلیں کی رہنے والی تھی، کدھر سے آئی تھی اور
میں گاؤں کا کوئی آدمی کچھ بھی نہ جانتا تھا۔ ہر چھوٹا بڑا اس کی
ہی ہاک مارتا اور چوکیدار کی کتاب میں بھی اس کا نام تائی بنت
مسجد کے نال کچے کوٹھے میں وہ سوئی دھاگہ لے کر سا
شہر سے محمد دین درزی سائیکل پر سوار آتا، کرتے لے جاتا۔
نائیں کے گھر سے دونوں وقت تائی کو دو آنے کی روٹی پہنچ جانے
راہ میں خیرات کر دیتی۔

پسلے پسلے پول تو وہ مسجد میں تیل ڈالتی رہی، لڑکے لڑکیوں کو کہ
لڑے تھرے وقت پر عورت کی مدد کرتی رہی۔ پر جب
بیٹھا تھا، تائی چار آنون کا زیادہ حصہ عبدو کے باپ کو لڑکے
لئے دینے لگی۔

وہ عورت میں جو تائی سے کبھی کبھار چند نکلے نھگ لیا کرتی
لھانے لگی تھیں اور ان کو عبدو زہر لگنے لگا تھا۔ پھاتاں بھرا
”لے تائی یہ بھی کوئی دان پن کی جگہ ہے۔ عبدو کا چاچا مار
ہے، تیرے پیسوں سے کوئی موٹا ہو جائے گا۔ پر دنیا لو بھی۔“

دواں

اس کا نام کیا تھا اس کے بارے
و تائی کہہ کر بلاتا اور تائی کہہ کے
ت گئینہ درج تھا۔

راون کرتے سیا کرتی۔ شام کو
ورچھ آنے دے جاتا۔ خیراں
لی اور باقی کے چار آنے وہ اللہ کی

ھیل ہٹائے لے کر دیتی رہی اور
سے موجیوں کا لڑکا عبد و مرے
کی قلم دوات اور تختی کھڑیا کے

تھیں، موجیوں کے نہر سے خار
میں اکثر تائی سے کہتی۔
رے ڈھور کی چڑی سے سونا بناتا
ہے نا، ہر کوئی بھی چاہتا ہے کہ جو

آجائے سوا چھا۔“

تمائی ہنس کر کہتی ”تیرے گھر والا بھی تو مرے ڈھور کا چمڑا بجا کر سونا بناتا ہے۔ دھینے! تو آنے دونی سے کون سی شاہ ہر جائے گی۔ عبدو بال ہے۔ اسے پڑھنے کا چاؤ ہے۔ پیسہ دو پیسے لے کر اس کی روح راضی ہو جاتی ہے، میرا جی خوش ہوتا ہے۔“

پھاتاں اٹھ کر پلو چھکتی اور کہتی ”لے تماں پھر تیری دونیوں سے تو وہ حاکم نہیں بنتا انش اللہ“

اور تماں ہولے سے کہتی ”عبدو حاکم نہ بننے نہ سی، کالی کملی والے کے دربار کی میں تو گولی بن جاؤں گی۔“

کسی کسی دن ملا اسماعیل بھی واڑھی کو مندی لگا کر اور دھونے کھدر کی پیڑی باندھ کر تماں کے پاس آتا اور کہتا ”تمائی شر چلا ہوں۔ مسجد میں نہ لوٹا ہے نہ مساوک۔ آج چونی اللہ کے گھر کے لئے بھی نکال دے۔ تو تو مسجد کو بھول ہی گئی ہے۔“

تمائی دوپٹے کی گردھ کھولتے ہوئے کہتی ”صدقے صدقے جاؤں اللہ رسول کے گھر پر۔ چونی کیا اس گھر پر تو میری جان بھی قربان۔ میں دوزخ دنبی بے نصیبی! اور اللہ رسول کے گھر کی اوپنجی شان۔ مولا تیرے صدقے میری قسمت! میری قسمت!!“ اور ملا چونی لے کر چلا جاتا۔

لالو، شکندر اور پھتی کے کھیت ساتھ ساتھ تھے۔ تینوں یار دن بھر باجرے کے کھیت سے چڑیاں اڑایا کرتے اور ایک دوسرے کو بولیاں سنایا کرتے۔

شکندر نے کہا ”یار ٹپے گا کر تو گلا ادھوڑی کا کھونٹا بن گیا ہے۔ کوئی کھیل کھیلو۔“

پھتی بولا ”شلباش بچو! اوت پنچھی جو صلاح دے گا، گھر گھانے والی دے گا۔ اور کھیل کھیلو۔ اور ھر چڑیاں باجرے کو پلیتے لگادیں۔ دانہ ختم سوکھے ڈنڈے حاضر۔

شکندر نے کہا ”لے اولالو یہ بھی کہے گا میں ٹھکھو لوں گا۔ سبھر کی کھوپڑی میں پہاڑ چڑھنے والا گیدڑ کارروائی کر گیا ہے۔“

الا لو نے غس کر کما ” یہ بیچارا بھی کیا کرے۔ تو جانتا ہے اس کا باپ بڑا سور ہے۔ چریاں ایک دانہ چک گئیں تو کانوں میں سر کر دے گا۔ پھر بتا تیری ماں کو ماں آکھے گا؟ ”

مشکندر نے کہا ” اچھا بچو یاروں کے ساتھ بھی مسخری کرتے ہو۔ میں کبھی کشتنی کی بات نہیں کرتا، یہی ہمیشہ بیٹھ کر کھلینے والی حیل کی کہتا ہوں۔ ”

” تو پھر ” باراں بیٹی ” کھیلو ” پھتی نے خوش ہو کر کہا۔ ” باراں بیٹی بھی کوئی حیل ہے ” مشکندر بولا۔

الا لو نے پوچھا ” اوے تاش کے ارادے تو نہیں یاروں کے؟ ” اور مشکندر بولا ” صدقے بجانامن کی بات بوجھی۔ ”

اب مشکل یہ تھی کہ تاش کہاں سے لی جائے۔ سارے گاؤں میں نمبردار کے گھر ایک تاش تھی۔ وہ کسی کو دیتا نہیں تھا۔ نئی خریدنے کے لئے ان کے پاس پیسے نہیں تھے۔ سوچ سوچ کر ان کی نظر تائی پر پڑی اور مشکندر اور الاو مسلکیں شکلیں بنائے تائی کے گمراہ پڑ گئے۔ انہوں نے ایک زبان ہو کر کہا... ” تائی سارا دن تجھیت پر گزارتے ہیں اور نماز پڑھنے کے لئے نہ مصلی نہ اونا۔ چاپے سے کہتے ہیں لے دو تو اتنا کہتا ہے کہ نماز پڑھو گے کہ چریاں ازاو گے۔ آج تیرے.....

تائی نے سونی روک کر کہا... ” توبہ توبہ بے نماز کتے آپ تو اللہ کا نام لیتے نہیں۔ دوسروں کو بھی روکتے ہیں۔ توبہ توبہ۔ ”

اور تائی نے سازھے پانچ آنے نکال کر انہیں دے دیئے۔

کمال جواری، شیخیکیدار کے آوے پر انہیں پکا آ تھا اور وہیں اپنی یوئی اور بچے کے ساتھ رہتا تھا۔ لڑکہ جب سے پیدا ہوا تھا اس نے عید، شب برات پر بھی کرتا نہ دیکھا اور نو دسمبر میں بھی اپنی زندگی کے چالیس برس لنگوئی میں بسر رکھا تھا۔ میئنے کے میئنے جو کچھ ملتا جوئے میں ہار دیتا۔ اس کے بعد گڑواپرات گروی رکھ کے جی بسلا تما اور جب وہ بھی بار جاتا تو منجھی بھی رہ جھے کسالی کے پاس رکھ آتا۔ قسمت سے داؤ سیدھا پڑتا تو چیزیں واپس آ جاتیں۔ نہیں تو

مہینہ بھر زمیں پر سونا پڑتا اور تعاری میں آٹا گوندھنا پڑتا۔

کسی دن جب جواریوں کی چادر یاری وقت مقرر کر کے اسے "گھنی یا" کھلنے پر مجبور کرتی تو وہ جی کڑا کر کے اپنے نگہ بچے کو کندھے پر بٹھا کے تائی کے پاس پہنچتا اور اسی طرح سواری بناہنا کرتا "تائی روز اللہ کی راہ میں دیتی ہو، ایک دن شیطان کی راہ میں بھی خیرات کر دو"۔

اور تائی خفا ہو کر کہتی "تو بہ استغفار کر کمیاں استغفار! تیرے ہاتھ روز قیامت کو گواہی دیں گے کہ کماں ہمیں جواہلاتا تھا۔ تیرا رواں رواں تیرے برخلاف شادت دے گا پھر کس کو مدد کے لئے بلائے گا؟"

کمال کرتا، "تائی مدد کے لئے نہ آج کسی کو بلاتا ہوں نہ اس دن بلاؤں گا۔ دھرتی پر ٹھیکیدار کی اشییں پکا پکا کر لوہا لا کھا ہو گیا۔ آسمان پر فرشتے جس بھٹی پر لگا دیں گے لگ جاؤں گا۔ یاروں کا کیا ہے....." تائی بات کاٹتی "نہ نہ ایسے کفر نہ قول کمیاں۔ کوڑا سودانہ کر، سچانخ کر سچا۔ پیسے لگنے کا جوانہ کھیل، جی جان کی بازی لگا شیرا، جی جان کی۔"

کمال کرتا "میں تیری طرح کملانہ نہیں تائی، بھلا روز چادر آنے گنو کر تجھے کیا ملتا ہے؟"

"گنو کر! " تائی حیران ہو کر کہتی "یہ گنوانا ہے بے عقل؟ یہ تو میرا محل بنار ہے ہیں۔ اونچی ماڑی تیار کر رہے ہیں، ایسی ماڑی....."

"محل! " کمال بچے کو کندھے سے اتار کے پوچھتا "کس دیس میں تائی، کس ملک میں؟"

اور تائی آسمان کی طرف سوئی اٹھا کر کہتی "اس دیس میں، اللہ مولا کی بادشاہی میں"۔

کمال دانت نکال کر کرتا "اچھا تائی اس محل میں ایک کوٹھری کمال کے بال بچوں کو بھی دے دیتا"۔

اور تائی آرام سے کہتی "اس دیس میں کوئی مالک نہیں، کوئی مختار نہیں۔ اس سرکار میں

بس نیک کرم ہی مالک ہیں اور بھلے بام ہی مختار ہیں۔ ” -
کمال ذرا بے چین ہو کر کہتا ”تمائی آج تو چونی دے دے، کل سے میں بھی اونچی ماڑی کی
نیور کھو دوں گا۔ ” -

”آج کیوں نہیں بھلا؟“ تملی پوچھتی۔
اور کمال اپنے لڑکے کو گود میں بٹھا کر کہتا ”آج دن اچھا نہیں تملی۔ سوریے سوریے
ایک چڑی میری گھروالی کے سر پر بیٹھ گئی تھی۔“ -
تمائی کہتی ”چڑی بیٹھے چاہے کبوتر۔ کیاں جو دم گزر گیا پھر نہیں آیا۔۔۔ آنے نکلے کے
داو چھوڑ کر بڑا داؤ لگا بڑا۔“ -

اور کمال مایوس ہو کر کہتا ”آنے تو ملتا نہیں بڑا داؤ کدھر لگاؤ؟“
تمائی ہولے سے کہنے لگتی ”جی جان کا داؤ بڑی سرکار سے لگا۔ بھی سرکار سے
کھیل۔“ -

کمال اٹھتے ہوئے کہتا ”لے تملی! میری جھوپی ہر بڑ تیرے سامنے خالی آئی خالی
گئی۔ تیرے برکت والے پیسوں سے ایک داؤ لگ جاتا تو وارے نیارے ہو جاتے پر خیر صبر
شکر۔“ -

اور گلی میں چلتے ہوئے وہ اپنے آپ سے باعث کرنے لگتا۔ ”بڑا داؤ لگا کیاں بڑا داؤ۔
آنے نکلے کا داؤ بھی کوئی داؤ ہے۔“ اور پھر وہ ہولے سے اپنے آپ کو سمجھاتا۔ ”اچھا خیر
اگلے میئنے کی ساری تنخواہ اور منجی پرات ایک دم رحمے کسائی کے پاس رکھ دوں گا۔ پھر لگا
دوں گا بڑا داؤ۔۔۔ شباش میرے! بڑا داؤ۔“ -

میئنے آتے رہے اور جاتے رہے پر کمال بڑا داؤ نہ لگا سکا۔ تنخواہ کے کچھ روپے گروی
چیزیں چھڑانے میں لگ جاتے، ایک دو کا آٹا آ جاتا اور باقی ”گھٹی یا“ میں برابر ہو جاتے۔
گاؤں میں کمال جد بھی تملی کے دروازے پر اسے سلام کرنے آتا تو تملی یہی کہتی ”لگادے
شیر اس بکچھ لگادے ایک دن سب کچھ لگادے۔“ اور کمال منہ ہی منہ میں تملی کی یہ بات
دھراتا آگے نکل جاتا۔

ایک بار جب اس کو تنخواہ ملی تو اتفاق سے اس کی کوئی چیز بھی گروئی نہ تھی۔ اس نے روپے ڈب میں رکھ لئے اور گھر سے پرات سر پر رکھ کر منجی کو اوپر ڈالا اور گڑواہاتھ میں پکڑ کر چل نکلا۔ بھینڈی مراثی اسے رحمے کسلی کی دکان پر ہی مل گیا اور کمال اسے ایک طرف لے جا کر آکھن لگا ”لے پھر آج کالو جھڑوس کو لے کر شام کے وقت آجا۔ یہ دیکھ اٹھا رہ ہیں پورے۔ اور اس بھن کے یار کو بھی کہہ دیا کہ کمال کتنا تھا اٹھا رہ ہیں اٹھا رہ.....“ پھر اس نے بھینڈی کے کندھے پر زور سے ہاتھ مار کر کہا ”تو بھی آ جامں بیچ کے!“ جب کمال تائی کو سلام کرنے اور اس کو بڑے داؤ کی بات بتانے اس کے کوٹھے کی طرف گیا تو گاؤں کے بہت سے آدمی اور عورتیں تائی کے دروازے پر جمع تھے اور ان میں کمال کی گھروالی بھی تھی۔

ملائکہ رہا تھا ” سبحان اللہ کیا بہشتی لی لی ہے نماز پڑھتے پڑھتے بڑے دربار میں جا پہنچی
سبحان اللہ۔“

عبدو کے باپ نے نمبردار کی طرف دیکھ کر کہا ”..... چودھری دی کفن
کفن تو“

اور ملانے ٹوک کر کہا ”تو بہ تو بہ ایسی لی لی کو کفن کی کیا ضرورت سبحان اللہ!
سبحان اللہ ! ! بہشتیوں کی حور کو دنیا کے کپڑے سے کیا مطلب۔“

بھرا میں بولی ”کھدر کے کفن پر بھی پندرہ میں لگ جائیں گے۔“
عبدو کا باپ خفا ہو کر بولا ”بھن ملاجی کی بات سنی نہیں۔ بہشتی حور کو کفن کی کیا
ضرورت اللہ کے پیارے سجدے میں سبحان اللہ ! واہ واہ سبحان
اللہ ! !“

کمال، تائی کو اس طرح لینے دیکھ کر کہا سا ہو گیا اور ہاتھ ہلا کر بولا ”نہ نہ ایسا
کام نہ کرنا یہ تو اپنی تائی تھی سارے گاؤں کی تائی“

عبدو کے باپ اور چودھری نے سرخ سرخ آنکھوں سے اسے تازا اور ملانے جھڑک کر کما ”بے عقول! خوش ہو جا۔“ مگر کمال اسی طرح ہاتھ ہلا تمارہا ”نہ نہ ملا

جی، یہ تو اپنی تائی تھی ” پھر اس نے اپنی گھروالی سے کہا ” تو یہاں ٹھہر میں
شہر سے منشوں میں کفن لاتا ہوں ”
اور بھیڑ پھوڑ کر کماں یوں بھاگا جیسے اسے دوسینے کی اکٹھی تنخواہ دینے کے لئے آواز پڑی
ہو۔



نگ

گاؤں کا ہر آدمی جانتا تھا کہ دارے لوہا رکی گھروالی دھا
ہے اور دونوں سارا سارا دن نال نال رہتے ہیں، آمنے سا
اور ایک دوسرے سے گندے گندے مخول کرتے ہیں۔ ملکانی
تحتی، سب کچھ دیکھ کر بھی سستی رہی، پربیبو سے یہ سارا کچھ سہ
دونوں کو نشر کرنا شروع کر دیا۔ ملک کی ہر کارروائی ہورے
چھوٹے بڑے کے دھر پہنچ جاتی، پر ملک کے ڈر سے یہ باتیں
پہنچتیں کہ اس کی گھروالی جو ملک کی حوصلی میں کام کا ج کرنے
کرتی۔

دارا بڑا سدھا سچا آدمی تھا۔ جب سے ہوش سنبھالا تھا بھٹھی
سے کھیلتا رہا تھا اور لوہا کوٹ کوٹ کر اس کے ہاتھ کھرپے بن
سے ہالی اور کسان اس سے ہل اور کدا میں بنانے آتے اور
دے جاتے۔

کچھ دنوں سے چک لندہ کے بد معاش دارے لوہا رکے
ہتھیار بنانے کے لئے کہہ رہے تھے پر دارا ان کی بات ٹالے جا
رہے تھے حقی بات یہ تھی کہ دارے کو ایسی چیزیں ڈھالنے کا چا

ناموس

ہموم کاملک کے ساتھ یارانے
منے بیٹھ کے روٹی کھاتے ہیں
تو خیر بڑے دل گردے والی
مارانے گیا۔ اس نے لک لکا کر
بے پرواںی شام تے پسلے پسلے ہر
زارے لوہار کے کانوں تک نہ
جاتی ہے دراصل کوئی کام نہیں

کی آگ اور لوہے کے فکڑوں
گئے تھے۔ دور دور کے گاؤں
نقند نانویں کے ساتھ جس بھی

پاس آ جا رہے تھے اور اسے
بیاتا تھا اور وہ زورتے زور دے
وئے تھا۔ گولی بارود والی چیز تو

ایک طرف، دارے کو بلم بر چھے بنانا بھی اچھا نہ لگتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ہتھیار نیڑے ہو تو آدمی کا جی خواہ مخواہ لڑنے کو چاہتا ہے اور خواہ مخواہ کی لڑائی ایک آدھ خون کئے بنارہ نہیں سکتی۔ ادھر چک لہذا کے بد معاش ڈیکٹی کی تیاریاں کر رہے تھے، ادھر دارا ان کا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ بد معاشوں نے بیسو کو سکھا پڑھا کر دارے کے پاس بھیجنا شروع کیا۔ بیسو پانی کا گھڑا سر پر اٹھائے دارے کی کوٹھڑی میں آتی اور بھیگے ہوئے پلو سے چرہ پونچھ کر کہتی ہے؟

دارا ہل کا پھل کاٹتے ہوئے کہتا ”مکوں کے ڈیرے گئی ہو گی۔ عورت ذات لو بھی ہوتی ہے بیسو! سدا دون گھر کا کام کاج کرتی ہے اور وقت ملنے پر مکانی کی مدد کرنے چلی جاتی ہے۔ لالچی.....“

اور بیسو بات کاٹ کر کہتی ”لالچی نہ لالچی۔ لالا اپنے گھر کی آدمی پرائی کی سدی سے اچھی۔ بھلا بھالی کو اپنے گھر کوں سی تھڑی ہے جو..... دارا ہاتھ روک کر جواب دیتا ”بیوقوفی! کہ جو دیا عورت ذات لو بھی ہوتی ہے، جدھر لال پیسہ دیکھا کلیجے سے لگالیا۔“

”... ہونہ“ بیسو گھرے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر کہتی ”پیے پیے میں بڑا فرق ہے لالا۔ ایک پیسہ حق حلال کا، ایک پیسہ تھڑی تھڑی کا۔“

دارا ہتھوڑا اٹھاتا اور بھٹی جیسی آنکھیں پھاڑ کر کہتا ”تھڑی تھڑی کیوں؟ کسی سے مانگ کر تو نہیں کھاتی۔ محنت کرتی ہے پھل پاتی ہے۔“ بیسو مرتے ہوئے کہتی ”اچھا لالا تیری عقل۔“

اور دارا ہتھوڑا بجا تے ہوئے سوچنے لگتا، میری عقل! کیوں میری عقل کو کیا ہوا ہے؟ اور دیر تک سوچتا رہتا۔

چک لہذا کے بد معاشوں کا سردار ابد و بھی ایسی ہی باقیں کیا کرتا، وہ دھونکنی چلا کر بھٹی میں ہوا دیئے جاتا اور ہولے ہولے آکھتا ”چاچا چھوڑ اس کام کو۔ گولی مار دوزخی کس کو۔ ملک تجھ سے بڑا راضی ہے۔ سال کے دانے دے دیا کرے گا دونوں جی کھاتے

رہنا۔ ”

دارانہ موز کر کھتا ”بچو! دس انگلیوں کی کملائی میں بڑی برکت ہے، اللہ اپنی جناب سے دے، بندے سے کیا مانگنا وہ تو بچارا آپ منگتا ہے۔“

پر ابدونہ مانتا اور یہی کہے جاتا کہ چاچی کی ملکوں سے بڑی سر ہے، وہ تیرے گھر میں دانے کی کمی نہ ہونے دیں گے۔ پھر اپنی جان دکھی کرنے سے فائدہ! مگر دارانہ مانتا اور اسی طرح مشقت کئے جاتا۔

بھٹی کے پاس چھ چھ پر بیٹھنے سے اس کے پھیپھرے چیتی چیتی ہو گئے تھے اور سہحوڑا چلا چلا کے اس کی چھاتی پیڑ کرنے لگی تھی۔ اس دکھ کا دارو سکھنے عملی نے افیم بتایا اور دارا کاشا سار افیم روز کھانے لگا۔ افیم کھانے سے اس کا دکھ جاتا رہا اور وہ پھر پسلے جیسا کام کرنے لگا۔ بٹھل بلشوئی رگڑتے ہوئے جب کبھی اس کی چھاتی میں پیڑاٹھتی، وہ بوری کے نیچے سے نین کی ڈیبا نکالتا اور کالی رانی کی چھلات چاقو سے کاٹ کر تاؤ سے لگایتا۔ دھاموں اپنے گھر والے کے افیم کھانے سے بہت خوش ہوئی اور ملک، خود دارے لوہار کو افیم منگوا منگوا کر پہنچانے لگا۔

ایک دن جب بیبو نے دھاموں کے سر پر کھکھ کی اور ہنی دیکھی تو اس سے دھاموں کا روپ رنگ اور ساری نہ گئی۔ وہ سیدھی دارے کے کوٹھے میں پہنچی اور اس کے پاس اٹھ بٹھل پر بیٹھ کر بولی ”بھلا لالا تیرے جیسا مرد بھی کوئی ہو گا۔ بھالی گھم ڈوریا لے کر لہر کرتی پھرتی ہے اور تو یہاں لوہا کوٹ کوٹ کر دھوتوبن رہا ہے۔ ذرا اس سے پوچھ تو سہی کہ دوپٹہ کس نے دیا ہے۔“

دارے نے ترنگ میں کہا ”لینا کس کے گھر سے تھا، بچاری مکانی کا اتار پہنچنے پھرتی ہو گی۔“

بیبو نے چک کر کہا ”واہ لا لا گھکھو واہ۔ مکانی بچاری نے تو سفے میں بھی ایسا دوپٹہ نہیں لیا ہو گا۔ پھر اتار کماں سے دیتی۔ یہ دوپٹہ تو بھالی دھاموں کو ملک نے لا کر دیا ہے۔“

دارے نے بیبو کو چوٹی سے کپڑا لیا اور ایک ساتھ دو تین لاتیں لگادیں۔ پھر اس نے گنیا اٹھا کر کہا ”آج تو تو نے یہ بات کر دی۔ پھر تیرے منہ سے ایسا بول نکلا تو مجھ سے براؤ کوئی نیس بوئے گا۔“

بیبو نے چوٹی چھڑانے کے لئے ذرا سے بھی زور نہ لگایا اور اسی طرح کہتی رہی ”لالا چاہے توپ کے آگے رکھ کے اڑا دے، پرمیں پچی بات کہہ کے رہوں گی۔ تیرا نام ڈوب گیا۔ تیری ذات کذات ہو گئی۔ چوکیدار کی لال کتاب میں نام تو تیرا بولے گا پر اولاد ملک کی ہو گی۔ لکھ لعنت اس ٹبر پر جو ذات سے بے ذات ہو جائے۔“

دارا بال چھوڑ کر ہتھوڑا اٹھانے کے لئے جھکا تو بیبو ”لکھ لعنت! لکھ لعنت!!“ کہتی باہر کو نٹھ گئی۔

دوپہر دیلے دھاموں ملک کے ڈیرے سے واپس آئی تو دارے نے اسے ڈانگ سے مارنا شروع کر دیا۔ لکھ ڈوریے کا دوپٹہ کھینچا تانی میں تماگا تماگا ہو گیا اور دھاموں کا سدا سریر نیلوں سے بھر گیا۔ وہ اسی وقت اسی طرح سے روئی چینیں مارتی ملک کے گھر جا پڑی اور سدا قصہ سنایا۔ ملک غصہ سے جھلا ہو گیا اور حیدر مراثی کو دارے کے بلانے کے لئے بھیجا۔ دارا گھر چھوڑ کر کھیت میں لک کر بیٹھ گیا تھا، حیدر کو خالی واپس آنا پڑا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد ملک اس کے گھر کسی نہ کسی کو بھیجا تھا، پر دارے کا پتہ نہ چلا۔ شام تک ملک کا غصہ اتر گیا اور دھاموں نے کہ سن کر اپنے گھروالے کو معافی دلوادی۔ پر ملک اس بات پر اڑا بیٹھا تھا کہ دارا ایک بار اس کے سامنے ڈیرے میں آئے ضرور۔ اسے کچھ کہا نہیں جائے گا، پر وہ آئے ضرور۔

سورج چھپتے ہی دارا کھیت سے نکلا اور سیدھا ملک کے پاس پہنچ گیا۔ ملک صاحب اس وقت اپنی شکاری کتنی کمی سنگلی پکڑے غصے سے کانپ رہے تھے اور دو آدمی ان کے مزارع کو لمبا پا کر چھتر مار رہے تھے۔ ملک جی ماں بہن کی گالیاں دے کر کہہ رہے تھے ”تیکوں پتہ نہ تھا؟ میرے غصے کا حال معلوم نہ تھا؟ پھر تو نے دروازہ کھلا کیوں چھاؤ یا۔ تیری ماں بہن کی ٹنڈیاں کس دوں سور کے پچے۔ تیکوں پتہ نہ تھا کہ رانی بھار پر ہے پھر

دروازہ کھلا کیوں رہ گیا؟“

مزارع دھاڑ رہا تھا اور دونوں آدمی ترازو لتر مار رہے تھے۔ وہ ہاتھ جوڑ کر دبائی دیتا، پر ملک جی کا غصہ کم نہ ہوتا۔ انہوں نے ایک نظر انی کی طرف دیکھ کر کہا ”تمن ہزار کامال پہلی بار بھار پر آئے اور دروازہ کھلا رہ جائے۔ گدھی کے پتھریہ کتنی نہیں میری دھی ہے میری ننگ ناموس ہے۔ میری گھروالی اودھل جائے میری دھی نکل جائے ایک غم نہیں، پر اس کی کوٹھڑی کا دروازہ کیوں کھلا رہ گیا۔ تیکوں پسلے بتا دیا تھا سمجھا دیا تھا۔ مارو سالے کو۔“

انہوں نے پیار بھی نعروں سے کتنی کو دیکھا اور پھر جوتے برنسے کاظمارہ کرنے لگے۔ دارا کو سنت میں سما کھڑا تھا۔ ہر جوتا جو مزارع کے جسم پر لگتا، دارے کی کمر سے چھٹ جاتا اور وہ آنکھیں تیچ لیتا۔ جب مزارع کی مرمت ہو چکی تو ملک جی دارے کی طرف دیکھ کر بولے ”کیوں اڑے میرے ہوتے ہوئے تو نے دھاموں کو مارا! گدھی کے پتھر تجھے پتہ نہیں میں بڑے بڑے راثھوں کا لکھجہ کھا جاتا ہوں۔ لاث صاحب کا سانس پی جاتا ہوں۔ تو ہوا کون دھاموں کو مارنے والا۔“

دارے نے کچھ کہنا چلایا تو ملک جی نے کہا ”بس دفع ہو جا، لے جا یہ کلامہ میرے سامنے سے نہیں تو اٹا کر کے تیری بھی چھڑوں کروں گا۔“

دارا پولے قدم اٹھاتا ڈیرے سے باہر نکل گیا۔ کوٹھے میں پہنچ کر اس نے بھٹی جلائی۔ بٹھل بننے والی چادر کاٹ کر ہاتھ بھر لبی نکلی بٹالی اور نا نکال گانے لگا۔ ابد و کار دیا ہوا کارتوں ز میں اکھاڑ کر نکلا اور نکلی کو گئیے میں لا کر کا توں اندر ڈال کے دیکھا۔

رات چھار ہی تھی۔ بھٹی کے لال لال کوئے کوٹھے میں چانن کر رہے تھے اور آج دارا کسی کے کہے بنادیسی پستول بنارہا تھا۔ آدمی رات کے وقت جب سب جھڑس اپنی اپنی جگہ ٹھیک بیٹھ گئیں اور گھوڑا کارتوں پر لگنے والی ٹھوکر کھٹ سے باہر نکلنے لگا تو دارا ابد و کا کارتوں پستول میں بھر کر ملک کے ڈیرے پر آگیا۔ ڈنگروں والے احاطے میں کتنی اپنے بیجوں سے پھاٹک کھرچ رہی تھی اور حولی کے اندر دھاموں ملک کے گھر کا کام کاچ کر رہی تھی۔ دارا ڈب میں پستول چھپائے احاطے کے ساتھ کچے کوٹھے کے خصی پر نالے سے لگ

کر کھڑا ہو گیا۔ اسے پتہ تھا کہ تھوڑی دیر میں دھاموں باہر نکلے گی اور ملک بھی اس کے ساتھ گلی کے موڑ تک جائے گا۔ جب وہ دونوں موڑ کی طرف جا رہے ہوں گے تو تھوڑا ٹھوکر دے گا، کارتوس چلے گا اور دونوں

کتنی بیجوں کے ساتھ پھانک کھرچے جاتی تھی اور ہلکی ہلکی آوازیں نکال کر کوک فریاد بھی کرنے لگی تھی۔ پرانے کے ساتھ لگنے لگے دارے کو شام کا واقعہ یاد آگیا۔ مزارع دھاڑیں مار رہا تھا اور ملک کہہ رہا تھا یہ کتنی نہیں میری دھمی ہے۔ میری نگ ناموس ہے۔ دارائشے میں سوچ رہا تھا پستول چلے گا تو دونوں مر جائیں گے دونوں ختم ہو جائیں گے پر ملک کی عزت میں فرق نہ آئے گا۔ ملک زندہ بھی ملک تھا اور مر کر بھی ملک رہے گا۔ اس نے اپنی ڈب میں پستول کو اچھی طرح سے لپیٹ کر تمد میں اڑس لیا اور دیوار کے نال نال چلتا ہوا مسلیبوں کے ڈیرے پہنچ گیا۔ سیئی بجا کر اور پچکار پچکار کروہ اسے اپنے ساتھ نالے کے پاس لے آیا اور پھر ایک دم مسلیبوں کے ڈبو کو گودی میں اٹھا کر ملک کے احاطے کے اندر سست دیا جماں بمار پر آئی ہوئی رانی فریادیں کر رہی تھی۔



پچھیری

میر صاحب کی تعیناتی کے بعد علاقے میں رسہ گیری کی وارداتیں بست بڑھ گئی تھیں۔ جب سے چودہ ری تفیرے نے گھوڑی پال مربووں سے ایک ولائی پچھیری خریدی تھی، ذمروں کاں کے عمدی اور سلیمان سوئے کے ارد گرد نت چکر کاٹنے لگے تھے اور گاؤں میں چرپے ہونے لگے تھے کہ یہ پچھیری دوسروں کامال بھی بکری کر دے گی۔

چودہ ری تفیرے نے چام کے منجھے پر نہرنے سے پیروں کی ٹھیٹھیں چھیلتے ہوئے حیدری سے کہا ”پت حیدر اشٹالے والے کنوئیں سے پچھیرے لے آ۔ دونوں وقت ملتے ہیں کہیں ساری عمر روتے ہی نہ رہ جائیں۔“

حیدری نے چھوڑے کو ایک طرف کر کے پوچھا ”میاں نیول نہیں ڈالا تھا؟“ ”ڈالا ہے بھائی ڈالا کیوں نہیں“ چودہ ری نے نہرنا روک کر کہا ”پر یہ کالے منه والے خزری ہٹکریاں کاٹ لیتے ہیں۔ ڈنگر کانیوں کیا کر لے گا۔ جاشلباش جلدی کر۔“

حیدری کو ذرا رکتے ہوئے دیکھ کر گلو بولا ”میں لے آؤں چودہ ری؟“ اور بات ابھی اس کے منه میں ہی تھی کہ چودہ ری نے اکڑ کر کہا ”بینچے اوئے کم ذات! دھیوں جیسی پچھیری کی راس بینیے کے ہاتھ میں ہی بھتی ہے۔ تو ذات کا جولاہا، کھیں میں پھل چڑیاں ڈالنے والا! تجھے کیا پتہ گھوڑا کیا ہوتا ہے۔ اوئے میں تو تجھے اپنی شوقاں کے اگاڑی پچھاڑی بھی نہ باندھنے دوں، تو اسے واپس لانے کو کہہ رہا ہے۔“

حیدری جو تا پہن کر چلا گیا تو چوہدری، گلو سے دلایتی گھوڑیوں کی باتیں کرتا کرتا دلایتی کپڑے کے قصے سنانے لگا جو شرکی چکلے والیاں سو سور و پے گز کا خرید کر پہنچتی ہیں۔

شٹالے کے ہرے ہرے کھیت میں کالی رات جیسی شوقاں مزے مزے اور اور کے پتے موجود رہی تھی۔ حیدری نے اس کے قریب ہو کر گردن پر بڑے پیار سے تھکنی دی۔ پچھیری نے کنوتیاں جوڑ کر اگلے بندھے ہوئے پاؤں ایک ساتھ دھرتی پر مارے اور پھر چرنے لگی۔ حیدری ہنسا اور کھیسے سے لوہے کی بڑی ساری کنجی نکال کر نیول کھولنے کو اس کے اگلے سموں میں بینھ گیا۔

بڑے کیکر کے پیچے سے نوری کاثونے آگے بڑھ کر کہا ”ہائے وے چالاک چوہے کس طرح مسکین بن کے بینھ گیا ہے، جس طرح کسی گل کا پتہ ہی نہیں۔“

حیدری نیول کھولے بنا کنجی کھیسے میں ڈال کر ہستا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

کاثونے کہا ”پہلے میری بات کا جواب دے پھر ہنستے رہنا۔“

حیدری بولا ”سونہ قرآن کی مجھے تو پتہ ہی نہیں تھا کہ تو ایدھر کھڑی ہے۔“

کاثو کڈھنگ منہ بنا کر بولی ”رہنے دے چالاک چوہا۔ پرسوں سلامتے سے کیا میٹھی میٹھی باتیں کر رہا تھا۔“

”کچھ نہیں“ حیدری نے کان رگڑ کر کہا ”میں نے تو کوئی بات نہیں کی۔“

”میں کوئی بال نہیں“ کاثو بگڑ کر بولی ”سب جانتی ہوں۔ اب بھی کہہ سونہ قرآن کی۔“

حیدری کوئی جواب نہ دے سکا اور دانت نکالنے لگا تو کاثو نے اکھیاں بیج کے آکھیا ”مجھے سب پتہ ہے کالے منہ والی میری ہی باتیں کرتی ہوگی۔“

حیدری نے سر ہلاتے ہوئے کہا ”بات تو تیری ہی تھی پر وہ نہیں جو تو خیال کرتی ہے۔“

”ہور کیا تھی پھر؟“

”بس کچھ بھی نہیں“